# انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کا شکر گذار بندہ بننا ضروری ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۵؍جنوری ۱۹۷۳ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہّد وتعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:-

دینی اور دُنیوی کامیابی کے لئے اللہ تعالیٰ کا شکر گذار بندہ بننا ضروری ہے۔ شکر کے معنے صرف زبان سے ثنا کرنے یا شکریہ کے الفاظ ادا کرنے کے نہیں ہوتے نیز شکر کے صرف یہی معنے نہیں کہ انسان کا دل محسن حقیقی کے انعامات کی یاد سے معمور ہو جائے بلکہ انسان کو جو عملی قوتیں عطا کی گئی ہیں اُن عملی قوتوں سے بھی شکر ادا کرنا لازمی ہے۔ عملی قوتوں سے ''انسان کے احسان'' کے مقابلہ میں جو شکر ادا کیا جاتا ہے، وہ تو احسان کا بدلہ ہوتا ہے لیکن ایک ایسی ہستی بھی ہے جس کے احسانات کا بدلہ چُکایا نہیں جا سکتا اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

پس جہاں تک اللہ تعالیٰ کی ذات کا تعلق ہے، شکر کے یہ معنے ہوں گے کہ اُس نے ہمیں جو کچھ عطا فرمایا ہے، اُس میں سے ہم اپنے اعمال سے اُس کے حضور ایثار کے رنگ میں یا ہم اپنے اعمال سے اس کے بندوں کی خدمت کی شکل میں یا عملاً اُن حقوق کی ادائیگی کی صورت میں جو حقوق کہ اُس نے ہم پر واجب قرار دیئے ہیں، شکر ادا کریں۔ وہ تو دینے والا ہے لینے والا نہیں ہے کیونکہ ہر چیز اُسی کی ہے لیکن انسان اُس کے حضور (اپنی زبان کے محاورہ کے لحاظ سے) کچھ نہ کچھ پیش کرتا ہے ان شکلوں میں جن کا مَیں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ اِسی لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ فرمایا ہے:۔ اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُکۡرًا (سبا:۱۴)

فرمایا شکر گذاری کے ساتھ عمل کرو گویا شکر جذبات سے دل کو معمور کرنے کا یہاں ذکر نہیں یا زبان سے ثنا کرنے کا یہاں ذکر نہیں یا انسان جو مختلف اوقات میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار تسبیح وتحمید کرتے ہیں اس کا یہاں ذکر نہیں بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ اپنے عمل سے شکر ادا کرو۔ اِسی لئے عربی کی لغت میں جوارح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے معنے بھی کئے گئے ہیں یعنی وہ تمام طاقتیں جو انسان کو دی گئی ہیں، ان کو ایسے رنگ میں استعمال میں لایا جائے کہ وہ گویا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا متصور ہو۔ جب تک عملاً اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کیا جائے اُس وقت تک انسان کامیاب نہیں ہوسکتا۔

پس بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھانا ہی شکر نہیں ہوتا یا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہہ کر کھانا ختم کرنا ہی شکر نہیں ہوتا بلکہ کھانا کھانا خود ادائے شکر کے مترادف ہے کیونکہ اسلام میں بُھوکا رہ کر خودکشی کی اجازت نہیں دی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اے انسان! تیرے نفس کے بھی تجھ پر کچھ حقوق ہیں۔ اسلئے جہاں حق قائم ہوتا ہے۔ جہاں حق کی ادائیگی کی طاقت عطا کی جاتی ہے وہاں حق کو خدائے قادر وتوانا کی منشاء اور اسکی ہدایت کے مطابق ادا کرنا اُن ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مہیّا کئے جاتے ہیں، شکر ہے۔

غرض جب تک عملی شکر نہ ہو کامیابی نہیں ملتی مثلاً ایک ذہین بچہ ہے وہ اگر اپنی خدا داد ذہانت کے شکریہ کے طور پر اُس کا صحیح استعمال نہیں کرتا یا وہ اپنے اوقات کو ضائع کر دیتا ہے اور اپنی توجہ کو مطالعہ اور حصولِ علم پر قائم نہیں رکھتا تو وہ ناشکرا اور ناکام ہوتا ہے پس ناشکری ہمیں ناکامی کی وجہ بتاتی ہے۔ جہاں آپ کو ناشکری نظر آئے گی وہاں آپ کو ناکامی نظر آئے گی۔ اِس لئے کہ کامیابی کے لئے اس معنی میں جس کی مَیں نے ابھی وضاحت کی ہے شکر گذار بندہ بننا ضروری ہے۔ میری اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا ہے کہ وہ اپنے فضل سے ہمیں اس مرکزی اور بُنیادی نکتہ کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہماری جماعت میں ایک گروہ ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کے انعامات کو زیادہ اور نمایاں طور پر حاصل کر رہا ہے اور وہ موصیان کا گروہ ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا اور وہ اس میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں مثلاً اپنی آمد کا ۱/۱۰ اور ۱/۳ کے درمیان حصہ وصیت ادا کرتے ہیں گویا وہ نیکی کی قوتوں کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے رسالہ وصیت کی شرائط کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے اُن کو قوتیں عطا کیں اور پھر اُن کے صحیح مصرف کی توفیق بھی عطا فرمائی۔ظاہر ہے کہ کسی کی آمد کا ۱۰/۱ حصہ سینما بینی پر بھی خرچ کیا جا سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں بھی خرچ کیا جا سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے موصیان کو یہ توفیق عطا فرمائی کہ وہ نیکی کی راہ میں اپنے مال کا ایک بڑا حصہ خرچ کریں۔اُن کو یہ توفیق بخشی کہ وہ اس معیار پر آنے کی کوشش کریں (مَیں یہ نہیں کہتا کہ وُہ اس معیار پر آ گئے ہیں) جو معیار کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موصی کا رسالہ الوصیّت میں بیان فرمایا ہے یا آپ نے اپنی کتب میں بعض دُوسری جگہوں پر اس کا ذکر کیا ہے تاہم اس کا جو انفرادی پہلو ہے یعنی ہر موصی کی ذات کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بھاری اکثریت ایسی ہے جس میں کامیابی کا پہلو نمایاں ہے یعنی وہ شکر گذار بندے ہیں لیکن اجتماعی زندگی میں ابھی تک وہ اس مقام پر نہیں پہنچے جس مقام پر موصیان اور موصیات ہمیں نظر آنے چاہئیں۔میں نے قریباً سات سال قبل موصیان کی ایک تنظیم کا اعلان کیا تھا اور کچھ ابتدائی کام اُن کے ذمہ لگائے تھے چنانچہ میرا خیال تھا کہ بعد میں اجتماعی طور پر کچھ اور کام بھی اُن کے ذمہ لگائے جائیں گے لیکن چونکہ اُن کی جو ابتدائی ذمہ داریاں تھیں وہ ایک خاص معیار تک نہیں پہنچیں اس لئے وہ ذمہ داریاں جن کے متعلق میرا یہ خیال تھا کہ دوسرے مرحلہ پر اُن کو بتائی جائیں گی اور وہ ان ذمہ داریوں کو بھی اجتماعی رنگ میں نباہنے کی کوشش کریں گے اس کے متعلق میں نے خاموشی اختیار کی۔

جہاں تک موصیان کے لئے ابتدائی کام کرنے کا سوال تھا۔میں نے یہ کام ان کے ذمہ لگایا تھا کہ تمہارے گھر میں بڑا ہو یا چھوٹا، مرد ہو یا عورت کوئی بھی ایسا نہ رہے جو قرآن کریم کے پڑھنے کی عمر کو پہنچا ہوا ہو لیکن قرآن کریم پڑھ نہ سکتا ہو یا ترجمہ جاننے کی عمر کو پہنچا ہوا ہو مگر ترجمہ نہ جانتا ہو یا عام روزمرہ زندگی سے تعلق رکھنے والی تفسیر قرآن کا انہیں علم نہ ہو۔گو یہ صحیح ہے کہ عمیق رموز و اسرارِ قرآنی کا علم ہر انسان کو تو نصیب نہیں ہوتا لیکن قرآن کریم کی تفسیر ایسی بھی ہے جو روز مرّہ ہمارے کام آنے والی ہے۔اس کا علم بھی ہونا چاہیئے مگر سات سال ہونے کو ہیں ابھی تک اس سلسلہ میں کوئی ٹھوس اور نمایاں کام نظر نہیں آیا۔

پھر موصیان کے ذمہ ایک یہ کام بھی کیا گیا تھا کہ جماعت احمدیہ کی عام تربیت کے معیار کو بلند کرنے کے لئے ،ان کی کوششوں سے کم ازکم پانچ ہزار واقفین عارضی ہمیں ملنے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا پانچ ہزار سے زیادہ واقفین عارضی ہمیں مل تو گئے لیکن اس میں کتنا حصہ موصیان کی کوششوں کا ہے اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ میرے خیال میں اس میں تو شاید نصف بھی ان کی کوششوں کا نتیجہ نہیں ہوگا بہر حال مطلوبہ تعداد پوری ہو جانے سے ان کی پردہ پوشی ہوگئی۔

تیسرے موصیان کو یہ بھی کہا گیا تھا کہ تم جہاں بھی رہتے ہو مثلاً راولپنڈی میں رہتے ہو یا لاہور میں رہتے ہو یا کراچی میں رہتے ہو یا لائلپور میں رہتے ہو یا سرگودھا میں رہتے ہو یا چک ۹۹ شمالی میں رہتے ہو یا دوسرے چکوک اور دیہات میں رہتے ہو۔ جہاں بھی تم رہتے ہو تم اس بات کا خیال رکھو کہ تمہاری جماعت (اس سے اصطلاحی جماعت مراد ہے) مثلاً سرگودھا کی جماعت ہے یا راولپنڈی کی جماعت ہے یا کراچی کی جماعت ہے یا لائلپور کی جماعت ہے یا چک ۹۹ شمالی کی جماعت ہے وغیرہ۔ اس میں کوئی شخص ایسا نہ رہے جسے قرآن کریم آنا چاہیئے تھا لیکن اسے پڑھنا نہیں آتا۔ اس کے متعلق بھی کوئی واضح اور خوشکن رپورٹ کم ازکم میرے سامنے نہیں آئی۔ اس لئے ہمیں کچھ انتظامی کام کرنے پڑیں گے تا کہ صحیح کام ہوں اور کام کی صحیح رپورٹیں ہوں۔ ربوہ میں موصیان کی ایک مرکزی سب کمیٹی مقرر ہو جانی چاہیئے جو ان سب کاموں کے کروانے کی ذمہ دار ہو۔ نظارت اصلاح وارشاد یا اس سے تعلق رکھنے والے ہمارے تین چار بزرگ دوست عبدالمالک خانصاحب۔ ابوالعطاء صاحب اور قاضی محمد نذیر صاحب ہیں یہ موصیان ربوہ کا ایک جائزہ لیں اور عمر کے لحاظ سے، صحت اور ہمت کے لحاظ سے اور کام کی اہلیت کے لحاظ سے اُن کے نزدیک جو ۲۵ موصیان کام کروانے کے اہل ہوں ان کی فہرست مجھے اگلے جمعہ سے پہلے دے دیں۔ میں ان میں سے ایک کمیٹی مقرر کر دوں گا اور پھر خواہ باتنخواہ کلرک اور دوسرا عملہ جو ضروری ہے اور سٹیشنری یعنی کاغذ وغیرہ کا جو خرچ ہے، اس کا انتظام کرنا پڑے یہ انتظام تو انشاء اللہ ہو جائے گا لیکن پہلے تو اس کمیٹی کو جائزہ لینا چاہیئے کہ موصیان نے کس حد تک کام کیا ہے دوسرے چونکہ موصیان کی چھان بین ضرور ہوتی رہنی چاہیئے

اس لئے یہ کمیٹی موصیان کا عمومی جائزہ بھی لے کیونکہ صرف وصیّت کا چندہ شرط نہیں ہے یہ تو ایک معمولی سی شرط ہے۔اصل تو دوسری چیزیں ہیں جن کا خیال رکھنا چاہیئے چنانچہ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى (المائدۃ:۳) کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ مومن ایک دوسرے کی نگرانی کرنے والے ہوں۔تاہم یہ صحیح ہے کہ بہت سے کام بغیر نگرانی کے مکمل ہو جاتے ہیں لیکن بہت سے ایسے کام بھی ہیں جو بغیر نگرانی کے صحیح طور پر بجا نہیں لائے جا سکتے اُن کا اگر خیال رکھا جائے تو وہی فرد یا گروہ جن میں ایک وقت میں سُستی نظر آتی ہے چُست ہو جاتے ہیں اور اُن کا کام اچھا ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے موصیان کو دوسروں کے مقابلہ میں اپنی نعمتوں سے زیادہ نوازا ہے۔اُس نے انہیں وصیّت کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔اُن کو اُن بشارتوں کے حصول کے امکان کو پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائی جس کے نتیجہ میں اس دُنیا میں بھی جنت مل جاتی ہے اور اُخروی زندگی میں بھی جنت کے متعلق الا ماشاء اللہ کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔تاہم اس احسان یا ان نعماء کی وجہ سے اُن پر شکر کرنے کی ذمہ داری بھی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

پس جیسا کہ میں نے بتایا ہے جہاں ناشکری ہوتی ہے وہاں ناکامی ہوتی ہے۔ناشکری اور ناکامی دونوں ہی ہمیں انسانی زندگی میں پہلو بہ پہلو کھڑی نظر آتی ہیں اسلئے اگر ایک موصی خدا کا شکرگذار بندہ نہیں بنتا اور اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا کا مصداق نہیں بنتا۔اپنے عمل کو شکر کی بنیاد پر قائم نہیں کرتا تو بعض دفعہ کسی موصی کے حالات ایسے ہو جاتے ہیں کہ اس کی وصیّت منسوخ ہو جاتی ہے۔ایسی صورت میں دوست عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ ایسے آدمی سے حصہ وصیّت کی ادائیگی میں سستی ہوئی اس لئے اس کی وصیّت منسوخ ہوگئی ہے لیکن میں درد بھرے دل کے ساتھ یہ سمجھا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اس سے کوئی ایسا عمل سرزد ہوا جس سے وہ خدا کے غضب کا مورد بن گیا اور اس طرح خدا تعالیٰ کے منشاء کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ ہمارے لئے ظاہری علامت قائم کی گئی ہے یعنی بہشتی مقبرہ اس میں دفن ہونے سے وہ محروم ہوگیا۔بعض دفعہ ایک موصی فوت ہو جاتا ہے تو اس کے بچے وصیّت کا پیسہ نہیں دیتے۔اب جہاں تک وصیت کے چندہ کا تعلق ہے یہ ایک ظاہری چیز

ہے اس کی دو شکلیں بن جاتی ہیں باپ بہشتی مقبرہ میں دفن ہو جاتا ہے اور بیٹوں نے حصۂ وصیّت نہیں دیا ہوتا۔ اس واسطے کہ وصیّت کے پیسے تو کوئی چیز نہیں۔ اس کے بغیر خدا تعالیٰ ایسے سامان پیدا کر دیتا ہے کہ وہ بہشتی مقبرہ میں دفن ہو جاتا ہے لیکن بعض دفعہ متوفی کی اولاد پیسے نہیں دیتی اور وہ بہشتی مقبرہ میں دفن نہیں ہوسکتا۔ اب ایک ہی فعل ہے جو دو مختلف خاندانوں کی اولاد سے سرزد ہؤا۔ سوچنے والی بات یہ ہے کہ اس سے دو مختلف نتیجے کیوں نکلے بظاہر اِس کا ایک ہی نتیجہ نکلنا چاہیئے تھا؟ میں ایسے موقع پر یہ نتیجہ اخذ کیا کرتا ہوں کہ ایک شخص جس نے وصیّت کی تھی مگر اس کا حصہ وصیّت ادا نہ ہو سکا۔ اس کے باوجود چونکہ وہ خدا کا پیارا تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے فرمایا مَیں اس کی اولاد کو تو پکڑوں گا مگر اس نے میری راہ میں اخلاص کے ساتھ اور ایثار کے ساتھ قربانیاں دی ہیں اس کو میں اپنی جنت میں داخل کروں گا لیکن ایک دوسرا آدمی ہے جو دنیا کی نگاہ میں خواہ کچھ ہو لیکن خدا تعالیٰ کی نگاہ میں یہ تھا کہ اس کو بہشتی مقبرہ میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا چنانچہ اس کی اولاد اس کے بہشتی مقبرہ میں دفن ہونے سے محرومی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

پس ہر موصی پر انفرادی حیثیت میں بھی اور جماعت موصیان پر اجتماعی رنگ میں بھی ایک بہت بڑی ذمہ داری شکر گزار بندہ بننے کی بھی عائد ہوتی ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کریں گے تو ان کی زندگی ناکام ہوگی۔ وہ اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوں گے جس مقصد کے لئے انہوں نے وصیّت کی اور بظاہر ایک حد تک دوسروں سے زیادہ قربانیاں بھی دیں۔ ہماری جماعت میں بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو وصیّت کی عظیم ذمہ داریوں کی وجہ سے وصیّت تو نہیں کرتے لیکن یوں بڑی قربانی دے رہے ہوتے ہیں خود میرے علم میں بعض ایسے دوست ہیں جن کی کسر نفسی کا یہ حال ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم جب اپنی زندگی پر غور کرتے ہیں تو ہم اپنے آپ کو اس قابل نہیں پاتے کہ ہم بہشتی مقبرہ میں دفن ہونے والی جماعت میں شامل ہوں چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کو شامل کر دیتا ہے۔ ایسی بہت ساری مثالیں موجود ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے لوگوں کی گنجائش رکھی ہے کہ اگر چہ ان کی وصیّت تو نہیں ہوتی لیکن بعد میں کیس یہ بن جاتا ہے کہ بڑا مخلص اور فدائی احمدی تھا۔ اس کی وصیّت ۱۰؍۱ حصہ کی تو نہیں تھی

لیکن وہ اپنے مال کا ۵؍۱ حصہ خدا کی راہ میں قربان کر رہا تھا یعنی ایسے لوگوں کی مال کی محبت وصیّت کے راستے میں روک نہیں تھی وہ ۱۰؍۱ دے کر وصیّت کر سکتے تھے۔ پس اگر چہ انہوں نے وصیّت نہیں کرائی تھی لیکن جہاں تک مالی قربانی کا تعلق ہے وہ عملاً ۵؍۱ خدا کی راہ میں دے رہے تھے چنانچہ کئی دوستوں کا مجھے ذاتی طور پر علم ہے جو کہتے تھے کہ ہم کیا ہیں۔ جب اپنے نفس پر غور کرتے ہیں تو اپنے آپ کو کچھ بھی نہیں پاتے۔ یہ اُن کا اپنا ذہن ہے مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کو ہم صحیح سمجھ لیں لیکن یہ ہے بڑی پیاری منکسر المزاجی چنانچہ خدا تعالیٰ ایسا سامان پیدا کر دیتا ہے کہ ان کی وفات کے بعد خلیفۂ وقت فیصلہ کرتا ہے کہ ان کو بہشتی مقبرہ میں دفن کر دیا جائے کیونکہ ان کی ساری زندگی ایسی ہوتی ہے کہ وہ خدا کی راہ میں بڑا اخلاص دکھانے والے اور بڑی قربانی کرنے والے تھے اس کے برعکس بعض لوگ اتنے مخلص نہیں ہوتے جتنا ایک موصی کو ہونا چاہیئے۔ اس لئے انہوں نے وصیّت تو کی ہوتی ہے لیکن وفات کے بعد بہشتی مقبرہ میں دفن نہیں ہو سکتے۔

پس بہشتی مقبرہ کوئی نارمل چیز نہیں ہے جب ہم وصیّت کے سارے حالات پر نگاہ ڈالتے ہیں تو یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر کام کرتی ہوئی نظر آتی ہے گو ایک موصی کے ساتھ اللہ تعالیٰ بڑا پیارا اور حسین سلوک کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ان پر شکر گزار بندہ بننے کی ایک بہت بڑی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔ اس لئے ان کو دوسروں کی نسبت خدا تعالیٰ کا زیادہ شکر گزار بندہ بننا چاہیئے۔ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کیلئے شکر اور حمد کا مقام دوسروں کی نسبت بہت بڑا اور بلند ہونا چاہیئے۔

غرض موصیان کی زندگی کا جو اجتماعی پہلو ہے اس کے متعلق مجھے تسلی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے ان سے کام لینے کی توفیق بخشے اور انہیں کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ موصیان نے اجتماعی طور پر تسلی بخش کام نہیں کیا جس کی وجہ سے تعلیم القرآن کلاس کا جو پروگرام تھا اس پر اثر پڑا اور اس کے نتیجہ میں قرآن کریم کی وسیع اشاعت کے سلسلہ میں ہم نے جو کوششیں کیں (جن کا کچھ ذکر میں نے جلسہ سالانہ کی تقریر میں بھی کیا تھا) اُن پر بھی اثر پڑا۔ اگر یہ موصی صاحبان اور جماعت کا دوسرا حصہ قرآن کریم کی اشاعت اور اس کے علم کے حصول پر اس سے

زیادہ توجہ دیتا یعنی اتنی توجہ دیتا جتنی کہ میں نے خواہش ظاہر کی تھی اور سکیمیں بنائی تھیں تو اس سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور برکتیں ہم پر نازل ہوتیں۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (ابراہیم:۸) یعنی تم شکر گزار بندے بنو گے تو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو پہلے سے زیادہ حاصل کرو گے اور تمہیں پہلے سے زیادہ کامیابیاں عطا ہوں گی۔تمہیں پہلے سے زیادہ رضائے الٰہی حاصل ہوگی لیکن اگر تم شکر گزار بندے نہیں بنو گے تو تم پر اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی زیادتی نہیں ہوگی۔ انتہائی کامیابی کی طرف تمہاری جو مسلسل حرکت ہے وہ رک جائے گی۔جب حرکت میں کمی واقع ہوجائے تو وہ ناکامی ہے، نہایت بھیانک ناکامی ہے۔

پس موصیان کی ایک مرکزی کمیٹی بننی چاہیئے۔اس کا ایک حصہ لجنہ بھی بنائے بعض ایسے کام ہوتے ہیں جو صرف موصیات کر سکتی ہیں وہ اپنی بہنوں سے کام لے سکتی ہیں۔میرے پاس جو فہرست آئے گی اس میں سے مناسب افراد کی ایک کمیٹی بنا دی جائے گی۔وہ کام کرے گی۔کسی نظارت کے ساتھ اس کا الحاق کر دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ جس آخری اور حسین تر اور اکمل تر اور ارفع تر کامیابی اور فلاح کی بشارت دیتا ہے (اور اس کے لئے اس نے جماعت احمدیہ کو قائم کیا ہے) یہ وہ کامیابی اور فلاح ہے جس کے نتیجہ میں تمام دُنیا امت واحدہ کی شکل میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع نظر آئے گی۔یہ وہی کامیابی ہے جس کی ہر صاحب فراست احمدی کے دل میں تڑپ ہے۔اس کامیابی کے حصول کے لئے ہر صاحب فراست احمدی اپنی طرف سے کوشش کر رہا ہے۔خدا کرے کہ ساری جماعت اور جماعت کا ہر فرد صاحب فراست بن جائے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے آخری کامیابی اور انتہائی خوشیوں کے دن کو ہمارے قریب سے قریب تر کر دے تا کہ ہم بھی اپنی زندگیوں میں اسے دیکھ لیں۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۶؍فروری ۱۹۷۳ء صفحہ ۲ تا ۴)

❁❁❁